مسلمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی پیدائش کی کیا غرض ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲ / مارچ ۱۹۷۳ء بمقام مسجد احمدیہ اسلام آباد)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:-

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (ال عمران: ۲۰)

بَلٰی ٭ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ فَلَہٗۤ اَجۡرُہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ۪ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ (البقرۃ: ۱۱۳)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

ہمارا مذہب اسلام ہے اسی نام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت کے متعلق پہلوں کو اطلاع دی گئی تھی۔ اسلام کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اصطلاحی معنی ہیں۔ ہر لفظ تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن ایک زبان کے بہت سے الفاظ لغوی معنے بھی رکھتے ہیں اور اصطلاحی معنے بھی رکھتے ہیں۔ اصطلاحی معنی لغوی معنی کو محدود کرتا ہے۔

اسلام کے لغوی معنے ہیں کسی چیز کا پہلے مول دے دینا، سودا کر لینا، قیمت دینا، وصول کرنا، دراصل تجارت دونوں طرف سے ہی ہے یا کسی کو اپنا آپ سونپ دینا یا صلح کرنا اور لڑائی جھگڑا دور کرنا ان معنوں میں عربی زبان اسلام کے لفظ کو استعمال کرتی ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ اصطلاحی معنے لغوی معنی کو محدود کرتے ہیں۔ اسی لئے جب میں ۱۹۶۷ء میں یورپ کے دورے پر گیا تو ایک موقع پر یہ لطیفہ ہوا کہ تین مختلف سوسائٹیز کے چار چار نمائندے بارہ کی تعداد میں جب مجھے ملے (جن میں دو گروہ عیسائی پادریوں کے تھے اور ایک گروہ سکالرز کا تھا) تو اُن سے بڑی اچھی طرح باتیں ہوتی رہیں لیکن ایک پادری کچھ شوخ اور بے ادب تھا۔ اسلام کے متعلق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جب اس کی زبان سے بے ادبی کا کلمہ نکلا تو خدا تعالیٰ کی عطا کردہ تفہیم کے پیش نظر میں نے اس کو اس معاملے میں جواب نہ دیا بلکہ باتوں باتوں میں یہ کہا کہ سَنْ آف مین (Son of man) نے یہ کہا ہے کہ وہ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا بھی مانتے ہیں۔ (حالانکہ سَن آف مین کا محاورہ انجیل میں بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے) اس لئے وہ بڑا سٹپٹایا۔ اس پر ان سب کی توجہ بٹ گئی اور وہ حملہ سے دفاع کی طرف آ گئے۔ کہنے لگے یہ تو ہماری اصطلاح ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے یہ تمہاری اصطلاح ہے لیکن سن آف مین (Son of man) کے معنے سن آف مین(Son of man) کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اصطلاح لغوی معنے کو محدود کرتی ہے اس میں وسعت پیدا نہیں کرتی وہی پادری کہنے لگا نہیں۔ میں نے دل میں کہا میرا مقام بحث کرنے کا نہیں بلکہ اللہ پر توکل کرنے کا ہے چنانچہ جو اِن کا لیڈر تھا اس کو میں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اس کو جواب دینا نہیں چاہتا تم اس کا جواب دو۔ ان کے لیڈر نے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں تم غلط کہتے ہو۔ غرض اسلام میں اسلام کی اصطلاح لغوی معنی کو بہر حال محدود کرے گی یعنی لغت اگر اسلام کے لفظ کو چار معانی میں استعمال کرتی ہے تو یہ اس سے کم معانی میں استعمال کرے گی۔ چنانچہ اسلام کی اصطلاح بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ میں استعمال ہوتی ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اسلام کے اصطلاحی معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا تمام وجود اللہ تعالیٰ کو سونپ دینا۔ گویا لغوی معنی کے برعکس اپنے آپ کو کسی کے سونپ دینا اصطلاحی معنے ہیں اسلام کے اور بھی معنی ہیں لیکن باقیوں کی نسبت اس کو اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے اسلام نے پیش کیا ہے اور یہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو سپرد کر دینے کے متعلق ہے زید بکر یا یہ اور وہ یا بہت یا قوم کی طاقت یا سٹیٹ (State)

کمیونسٹ بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ ’’عوام‘‘ ہمارا خدا ہے ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو اسلام نے اس رنگ میں پیش کیا ہے کہ گویا انسان اپنا سب کچھ اس کو سونپ دیتا ہے یہ اور دو قسم کا ہوتا ہے ایک اعتقاداً اور ایک عملاً۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ مختصراً یہ مضمون بڑے لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک اعتقاداً سونپ دینے کے معنے یہ ہیں کہ انسان یہ اعتقاد رکھے کہ میرا وجود خدا تعالیٰ کے ارادوں کے ماتحت ارادے رکھنے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی پیدائش کی کیا وجہ ہے۔ خدا نے اُسے کیوں پیدا کیا ہے؟ اعتقاداً مسلمان وہ شخص ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ میرے رب نے مجھے اس لئے پیدا کیا ہے کہ میں آوارہ ارادوں کا مالک نہ بنوں بلکہ اپنے ارادے اور خواہشات کو خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دوں اپنی ہر خواہش کو اُس کے ارادوں کے ماتحت کر دوں۔ جو اللہ کا ارادہ ہے وہی ہمارا ارادہ ہو جائے۔ جو اللہ کی رضا ہے وہی ہماری رضا بن جائے اور عملاً مسلمان ہونا اور اپنے وجود کو اللہ کو سونپ دینے کے یہ معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی طاقتیں دی ہیں وہ ساری کی ساری نیکی کے کاموں پر خرچ ہوں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی طاقتیں دی ہیں۔ اتنی طاقتیں دیں کہ اگر وہ اپنی ساری قوتوں کو بحیثیت انسان مجموعی طور پر استعمال کرے تو زمین و آسمان کو اپنا خادم بنا سکتا ہے اسی لئے انسان کو نہ صرف جسمانی اور ذہنی اور علمی قوتیں عطا کی گئیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اخلاقی اور روحانی قوتیں بھی بخشیں۔ جس طرح خلق خدا میں اتنی وسعت ہے کہ اسے ہم غیر محدود کہتے ہیں اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدود طاقتیں اور قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ انسان کہتے ہی اس وجود کو ہیں جو خدا داد طاقتوں اور استعدادوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

اگر آپ سوچیں کہ یہ میرا جسم ہے یہ آپ کا جسم ہے ویسے دراصل انسان صرف جسم کا نام نہیں ہے کیونکہ مادی جسم کے لحاظ سے گدھے کا جسم بھی مٹی کے اجزاء سے بنا ہے اور کُتے کا بھی بنا، اونٹ اور بیل اور شیر اور ہاتھی اور بے شمار مخلوق دُنیا کی چرند پرند اور درندے ہیں ان

کے وجود بھی بنے اس لئے جہاں تک انسانی نفس کے مادی وجود کا تعلق ہے۔ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ اس واسطے صرف مادی جسم کے لحاظ سے کسی کو ہم انسان نہیں کہہ سکتے۔ آخر جانور اور انسان میں کوئی امتیاز پیدا ہونا چاہیئے۔

جہاں تک احساس کا تعلق ہے ایک درخت میں بھی حِس ہے اور ایک انسان میں بھی حِس ہے۔ ایک درخت ایسا بھی ہے کہ اگر انسان اس کو جرأت کر کے ہاتھ لگا لے تو اس کے پتے شرما کر سکڑ جاتے ہیں۔ درخت میں حِس ہے تو سُکڑتے ہیں۔ ان کو اگر آپ ضرورت سے زیادہ غذا دے دیں تو جس طرح انسان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس درخت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ بعض دفعہ انسان زیادہ کھانے سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں۔ ایک دفعہ غلطی سے ایک درخت کو شام کے وقت میں نے ضرورت سے زیادہ غذا دے دی۔ اور صبح جب میں اُٹھا تو وہ مرا ہوا تھا۔ تو یہ حِس انسان اور درختوں کی زندگی میں برابر ہے۔ یہ زندگی حیات کا نام ہے۔ اس میں حیوان اور انسان برابر ہیں پس وہ کیا چیز ہے جو فرق پیدا کرتی ہے اور امتیاز پیدا کرتی ہے اور فرقان پیدا کرتی ہے انسان اور دوسری خلق میں وہ یہی انسانی قوت اور استعداد ہی تو ہے۔ تمام قوتوں کے حصول کے نتیجہ میں انسان کے لئے تسخیر عالمین کا امکان پیدا ہوا۔ اگر انسان کو قوتیں دی جاتیں لیکن اس کے اندر ہمت نہ ہوتی اسے عزم نہ عطا کیا جاتا اس کے دل میں کوئی خواہش نہ پیدا ہوتی۔ وہ کوئی بڑا ارادہ نہ رکھتا۔ اس کے دل میں کوئی امنگ نہ ہوتی تو ساری قوتیں بیکار تھیں۔ اس لئے ایک طرف تسخیر عالمین کے لئے اس کو قوتیں عطا کی گئیں دوسری طرف اس کے دل میں خواہشات اور ہمت اور ارادہ پیدا کیا گیا۔ کس کام کے لئے تھا یہ عزم اور خواہش اور ارادہ؟ اس کام کے لئے کہ میں اپنی تمام قوتوں کو انتہائی طور پر استعمال کروں گا اور جب اس نے اپنے روحانی مقام کو پہچانا اور روحانی قوتوں کا اُس نے انداز لگایا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں اپنے وجود میں کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھوں گا جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تضاد رکھنے والا ہو اور اس کے مخالف ہو۔ جو خدا کا ارادہ ہو گا وہی میرا ارادہ ہو گا۔ جو خدا تعالیٰ کی خواہش ہو گی وہی میری خواہش ہو گی۔ تاہم خدا تعالیٰ کے متعلق ہمارے نوجوان سمجھ لیں کہ یہ الفاظ اُس پر پوری طرح چسپاں نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہر

پہلو ہر لحاظ سے ایک منفرد واحد اور یگانہ ذات ہے لیکن ہم خود ان کو سمجھتے اور دوسرے کو سمجھانے کے لئے اپنے وہ محاورے اور الفاظ استعمال کرتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ دوسرے معنی میں بھی اللہ تعالیٰ کا عزم اور اس کی خواہش اور اس کا ارادہ ہے مگر جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کے ماتحت اس کے سائے میں اس کے عکس کے طور پر اس کی تشریح کے طور پر انسان کا ارادہ اور اس کی خواہش ہونی چاہیئے۔ خدا نے کہا میں نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری صفات کا مظہر بنے۔ اس لئے انسان کو یہ چاہیئے کہ بنیادی طور پر اُس کی ایک ہی خواہش ہو اس کا ایک ہی ارادہ ہو اور وہ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنوں گا۔

اسلام کے یہ معنے بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ کے اندر آتے ہیں۔ اعتقادی طور پر اس طرح کہ میری کوئی ایسی خواہش نہ ہو گی میرا کوئی ایسا عزم نہ ہو گا میری کوئی ایسی ہمت نہ ہو گی کوئی ایسا ارادہ نہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہو۔ جو اس کے عزم اور اس کی ہمت سے متضاد ہو تا ہم انسان اور اللہ تعالیٰ کی ہمت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ تمہاری اور اس کی ہمت میں بھی بڑا فرق ہے۔ ہم بڑی کوشش کرتے ہیں اور بڑی محنت کرتے ہیں اور بڑی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور بڑا مجاہدہ کرتے ہیں۔ تب اس کے فضل سے نتائج کو پاتے ہیں لیکن وہ تو کسی امر کے متعلق کُنْ کہتا ہے اور وہ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ارادے اور عزم اللہ تعالیٰ کے عزم اور ارادہ کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ انسان کا عزم اور ارادہ تو بہر حال اتنا نہیں ہوتا جتنا خدا کا ہوتا ہے پھر انسان انسان کے عزم و ارادہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس مضمون میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی طاقتیں دی ہیں خواہش اور ارادے سے استعمال ہونی چاہئیں گویا ان کا استعمال اس رنگ میں ہونا چاہیئے کہ تسخیر عالمین کا مقصد پورا ہو جائے اور اس رنگ میں تسخیر عالم ہو کہ سارے عالمین زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ان کو اس رنگ میں خدمت پر لگایا جائے کہ نیکی دُنیا میں قائم ہو جائے۔

انسان کا نیکی پر پختگی سے قائم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان عملی طور پر اپنی زندگی وقف کر دے یا اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دے۔ اس کو سونپ دے اعتقاداً اور عملاً

ہر دو طریق پر اپنے سارے وجود اور اپنے وجود کی سب خواہشات اور ہر عزم اور ہمت جو ہے اور ہر قوت اور اس کا استعمال خدا کو سونپ دیا جائے۔ اس کی خواہش کے مطابق ہماری خواہشات اور اس کے حکم کے مطابق ہماری اپنی قوتوں کا استعمال تسخیر عالمین کی کوشش کے لئے وقف ہو جائے۔

بعض نادان کہہ دیتے ہیں کہ مذہب کا مطلب ہے درویش پن۔ یہ غلط ہے۔ مذہب کا اگر یہ مطلب ہوتا تو اللہ تعالیٰ تسخیر عالمین کی قوتیں انسان کو عطا نہ کرتا۔ اس لئے مذہب کا یہ مطلب نہیں کہ درویش بن جاؤ۔ گوشہ نشین بن جاؤ، دُنیا سے قطع تعلق کر لو جنگل میں چلے جاؤ، درخت کے نیچے اپنا ڈیرہ ڈال لو اور صبح شام اللّٰہ ھُوْ، اللّٰہ ھُوْ کہتے رہو۔ مذہب کا یہ مطلب نہیں۔ مذہب کا تو یہ مطلب ہے کہ اصلاح ہو یعنی اعتقاداً اور عملاً اپنے وجود کو خدا تعالیٰ کے حضور سونپ دینا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عالمین جس کی تسخیر کے لئے جو قوتیں عطا کی گئیں ہیں اس سے ہم قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہے ورنہ وہ ہمیں طاقت ہی نہ دیتا لیکن تسخیر عالمین کے لئے اپنی قوتوں کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ انہیں خدا کے منشاء کے مطابق استعمال کرنا چاہیئے۔ اس کے حکم کے نیچے ہونا چاہیئے ورنہ پھر آدمی بیٹھ جائے پھر وہ اس سے تو ایک قدم آگے بڑھے گا جس نے کہا تھا کہ اس عالمین سے انسان کا کیا تعلق؟

گو وہ ایک قدم آگے بڑھا اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہاں آ کر وہ ٹھہر گیا۔ وہ روسی کمیونسٹ بن گیا اور کہہ دیا میں اپنی قوتوں کو استعمال کر کے اس عالمین کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی منشاء کو پورا کرنے کے لئے کروں گا۔ پھر انسانی جان کی کوئی قدر نہیں رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ یہ عالمین اور یہ ساری خلق یعنی زمین و آسمان کے اندر جو کچھ پایا جاتا ہے ان سے خدمت لو۔ گویا انسان کی خدمت کرنے کے لئے کائنات معرضِ وجود میں آئی لیکن ایسے آدمی پیدا ہو گئے جو کہتے ہیں ہم ان سے خدمت لیں گے۔ انسان کو دُکھ پہنچانے کے لئے انسان کی ایذاء دہی کے لئے انسان کو قتل کرنے کے لئے انسان کا گلا گھونٹنے کے لئے، انسان کی نورانیت کو اندھیروں میں تبدیل کرنے کی کوشش کے لئے۔ یہ تو اسلام نہیں سکھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو مسلمان اس لئے بنایا ہے اور اس لئے ہدایت

نازل کی ہے کہ وہ اس ارادہ کے ماتحت رہتے ہوئے اپنی تمام قوتوں کو تسخیر عالمین کے لئے استعمال کرے اور اس استعمال کی جو غرض ہے اس غرض کو بھی سامنے رکھے اور وہ ہے حقوق العباد کی ادائیگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار فرمایا ہے کہ اسلام کا خلاصہ حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہی قائم کئے ہیں۔ انسان کو اتنی سمجھ بوجھ نہیں کہ وہ حقوق العباد قائم کر سکے لیکن اسلام نے انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ حقوق العباد کو قائم کرنا ضروری ہے۔

اس طرح اعتقاداً اور عملاً اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دینا اُسے سونپ دینا اپنی ساری خواہشات اور ارادے اپنی انتہائی ہمت اور اپنے عزم کو اس کی منشاء کے مطابق کر دینا حقیقی اسلام ہے یعنی انسان کہے کہ اے میرے خدا میں وہی خواہش کروں گا جو تیری خواہش ہوگی میں وہی کام کروں گا جو تیری منشاء ہوگی۔ اعتقاد کے بعد عمل شروع ہوتا ہے۔ اگر اعتقاد صحیح ہے تو عمل صحیح ہوگا اور اعتقاد غلط ہے تو عمل بھی غلط ہوگا۔ گویا عملاً بھی خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دینا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں عطا کی ہیں ان کو استعمال کرنا چاہیئے جو شخص استعمال نہیں کرتا وہ بھی خدا سے دور چلا جاتا ہے کیونکہ خدا اُسے انعام دینا چاہتا ہے مگر وہ کہتا ہے میں نہیں لیتا۔ یہ تو شوخی کرنے، استکبار کرنے اور اِباء کرنے کے مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو اس بات کا مکلّف ٹھہرایا ہے کہ اس نے جو طاقت اسے دی ہے وہ اس کا استعمال کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ جنگلوں میں جا کر اس کا نام جپنا یہ تو انسان کے سپرد نہیں کیا گیا۔ اس کو خدا تعالیٰ نے طاقت دی یہاں تک کہ اس نے کہا کہ انسان چاند پر کمند ڈال سکتا ہے اور ڈال رہا ہے اور چاند تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہے لیکن اس کوشش کے نتیجہ میں سیٹلائٹ تو بنا لیا مگر عجیب مضحکہ خیز باتیں کرنے لگ گئے کہتے ہیں ان مصنوعی سیاروں کے ذریعہ اپنے دشمنوں پر ایٹم بم گرائیں گے۔ بھلا ان سے پوچھو تمہارا دشمن کون ہے کیا خدا کا بنایا ہوا تمہارا ایک بھائی دشمن ہے؟ لیکن جب خدا کو نہیں پہچانا اور اسلام کی روشنی سے منور نہ ہوئے

تو اس قسم کی باتیں نہ کریں تو اور کیا کریں؟

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تمہارے ارادے میرے ارادے ہو جائیں اور تمہاری قوتوں کا استعمال میرے حکم میرے امر کے نیچے آ جائے۔ اگر اپنی طاقتوں کو غلط جگہ استعمال کرنے سے رک جاؤ۔ آخر اوامر و نواہی دیئے ہی اس لئے گئے ہیں کہ تم اپنے اچھے برے اعمال کا جائزہ لے سکو اور نیک و بد میں تمیز کر سکو تو تم میرے نیک بندے بن جاؤ گے۔

انسانی قوت کا استعمال صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے۔ اگر تم میرے اوامر و نواہی کے مطابق اعمال بجالاؤ گے تو فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ کی رو سے تم میرے بندے بن جاؤ گے۔ میری صفات کا مظہر بن جاؤ گے۔ یہ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کی جزا ہے جو حقیقی مسلمان ہوتا ہے اس کو فائدہ کیا ہوتا ہے؟

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ان کے اعتقادات جو انہوں نے رکھے اور وہ جو نیک اعمال انہوں نے کئے اس کا اجر انسان نہیں دے گا خود خدا دے گا یہ بڑا عظیم اور خوشکن وعدہ ہے۔ انسان جب بدلہ نہیں دے گا تو اور کون دے گا۔ انسانی اعمال کا بدلہ اللہ دے گا۔ فرمایا فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اور یہاں اللہ نہیں کہا ربّ کہا ہے اس میں ایک حکمت ہے کیونکہ جس نے پیدا کیا ہے وہ تمہیں پہچانتا ہے۔ تمہاری قوتوں اور استعدادوں کو پہچانتا ہے۔ تم تھوڑا مانگو گے اپنی قوت اور استعداد سے وہ تمہیں زیادہ دے گا کیونکہ وہ ربّ ہے کیونکہ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور تم زیادہ مانگو گے جو کہ تمہاری تباہی اور ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ زیادتی ہے تو وہ تمہیں تھوڑا دے گا کیونکہ وہ ربّ ہے تم جتنا برداشت کر سکتے ہو اتنا دے گا۔

ماں اپنی ساری محبت کے باوجود بعض دفعہ بیٹے کو کم دے دیتی ہے اور بعض دفعہ زیادہ دے دیتی ہے۔ میرے پاس دوست آتے رہتے ہیں کوئی کہتا ہے میرا یہ بچہ ہے کچھ کھاتا نہیں ہے اور عام طور پر یہ بات صحیح ہوتی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ یہ کھاتا ہے یا نہیں کھاتا بلکہ سوال تو یہ ہے جو یہ کھانا چاہتا ہے وہ تم دینے کے لئے تیار ہو یا نہیں۔ یہ کہتا ہے میں نے چنے کھانے ہیں تم کہتے ہو نہ! نہ!! نہ!!! ماں وہمی ہوتی ہے باپ وہمی ہوتا ہے کہتے ہیں تمہارے پیٹ میں درد ہو جائے گی حالانکہ اس کے اندر سے جسم کی اپنی فطرت کی آواز یہ ہوتی ہے اس لئے چنا اس کو

ملنا چاہیئے ۔ جو اندر سے آواز آ گئی ہے کہ اتنا مجھے کھانے کے لئے ملنا چاہیئے تم اس سے کم دیتے ہو۔ بعض دفعہ ہم نے خود دیکھا ہے ماں دو سال کے بچے کو چپیڑ مار دیتی ہے اور کہتی ہے دودھ پیتے ہو یا نہیں تم اسے زیادہ دودھ دے دیتی ہو اس کا جسم کہتا ہے میں نے نہیں پینا۔ کیوں اسے زیادہ دے رہی ہو لیکن جو ربّ ہے اس کو پتہ ہے کہ میرے اس پیارے بندے کی اس انسان کی اس فرد کی جس نے کوشش کی میری صفات کا مظہر بننے کی اس کا دائرہ استعداد کتنا ہے۔ میں اس کے مطابق اسے دوں گا۔ اس واسطے اس جزا اور اس اجر میں کوئی تکلیف کا پہلو نہیں ہے کیونکہ اللہ دینے والا ہے۔ دوسرے یہ فرمایا کہ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ تم میرے بن جاؤ پھر دُنیا میں جو تمہیں ستانے کی کوشش کرتا ہے، کرتا رہے تمہاری ہلاکت کی کوشش کرتا ہے، کرتا رہے تمہیں ڈر نہیں ہونا چاہیئے ۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا بن گیا تو پھر اُسے دُنیا سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کے لئے تیار نہیں اس کی عطا کردہ خواہشات اور قوتوں کو صحیح استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں اس سے تمہیں کیا ڈرنا ہے؟ تم اللہ کی حفاظت میں ہو۔ اس لئے انبیاء اور مامورین کی جماعتیں جو ہیں ان کا کردار ایسا ہوتا ہے کہ چودہ سو سال کے بعد آج مورّخ حیران ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا اور قریباً ستّر، اسی سال کے بعد ہم بھی حیران ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے بارہ ساتھیوں کو لے کر دہلی کے شور شرابے کے باوجود اور ان کی بے وفائی اور دھوکہ دہی کے باوجود جو اُنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم انتظام کریں گے کہ کوئی نقص امن نہ ہو اس وقت علماء ظاہر کے کہنے پر بارہ ساتھیوں کے ساتھ دہلی کی بہت بڑی جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور ان کو کہلا بھیجا۔ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں اور اس لئے آ رہا ہوں کہ تم نے کہا تھا کہ تم امن قائم رکھنے کے ذمہ دار ہو۔ تم نے دھوکہ دہی کی اب میں نے اپنی حفاظت کا انتظام کر لیا ہے اب میں آ رہا ہوں۔ اتنے بڑے ہجوم کے اندر آپ بے دھڑک چلے گئے۔

اگر کسی کو حالات کا پتہ نہ ہو اور وہاں یورپ میں جا کر آدمی یہ بتائے وہ کہے گا اُنہوں نے کہانی بنا لی ہے۔ کسی کو سمجھ نہیں آ سکتا ایسا دماغ جس نے خدا کی معرفت کو حاصل نہیں کیا اور

اس نے خدا تعالیٰ کی صفات سے لذت و سرور نہیں پایا۔ وہ کہے گا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے خدا نے فرمایا وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں فکر کی کیا بات ہے؟ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔اس وقت انگریزوں کی حکومت تھی ایک انگریز (S-P) ایس پی تھا۔ غالباً وہ وہاں پولیس لے کے گیا ہوا تھا وہ تو مسجد سے باہر رہا اور آپ تو مسجد کے اندر چلے گئے تھے۔ جب واپس آئے تو ہجوم حملہ آور ہوا ایک وہ ایس پی تھا انگریز جس پر دوسروں کی حفاظت کی ذمہ داری تھی اور ایک وہ خدا کا بندہ مہدیٔ معہود جس کو خدا نے کہا تھا کہ تم میری حفاظت میں ہو۔ دونوں باہر آئے۔ ایک جگہ پر اکٹھے ہوئے۔ ایس پی صاحب کے پتھر پڑے اور چوٹ آ گئی لیکن خدا کے اس محبوب کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور بڑے آرام سے گذر گئے۔ جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو پھر کوئی خوف باقی رہتا ہے اور نہ کوئی حُزن رہتا ہے۔

پس خدا کی گود میں خود کو بٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے جو بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ کے مطابق حقیقی معنی میں مسلمان ہو گیا۔ اعتقاداً اور عملاً اس نے اپنے وجود کو اللہ کے حضور پیش کر دیا اور اسے سونپ دیا اسے کوئی خوف اور حزن نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے اسلام اور مسلم کو دو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ اس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ جو تمہیں سلام کہتا ہے اُسے تم یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ وہ بالکل زبان کا ایک عام اقرار ہے۔ حقیقی اسلام یعنی نفس کو خدا کے حضور سونپ دینے کا مطلب نہیں ہے وہاں یہ مطلب ہے کہ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا (النساء:۹۵) کہ جو تمہیں السلام علیکم کہے تمہارا حق یہ نہیں کہ تم کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ وہ ظاہری حکم ہے جو ظاہری فساد کو روکنے کے لئے دیا گیا ہے اور اس کے اندر بڑی حکمت ہے لیکن اسلام کا وہ مقام جس کے بعد خوف اور حزن باقی نہیں رہتا وہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنے وجود کو اعتقاداً اور عملاً اپنے رب کے حضور پیش کر دیتا ہے اور اسے سونپ دیتا ہے۔

خدا کرے مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق ملے اور ہم ہمیشہ ہی صبح بھی اور شام بھی

دن کو بھی اور رات کو بھی جاگتے ہوئے بھی اور سوتے ہوئے بھی خدا تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی امان میں رہیں اور خدا کرے کہ بندے کو جس غرض کے لئے اس نے پیدا کیا ہے اور بندے کو وہ مقام پہچاننے کے لئے احمدیت کو قائم کیا ہے اور خدا کے مامور مہدی کو مبعوث کیا ہے وہ مقصد بھی ہماری حقیر اور ناچیز کوششوں کے نتیجہ میں اس کے انتہائی فضلوں کی بدولت اور رحمتوں کی وجہ سے پورا ہو اور بنی نوع انسان اپنے ربّ اور اپنے آقا محمد خَاتَمُ النَّبِیّٖن صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے لگے۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)